عورت کی حکمرانی قرآن و سُنّت کی روشنی میں

مولانا گوہر رحمٰن صاحب ۔ مردان

(۳)

۵۔ غیر مُسلم خواتین کی حکومتوں کو سندِ جواز بنانا

تاریخ کے ایک پروفیسر صاحب نے کہا ہے کہ حدیثِ رسولؐ لن یُفلح قوم الخ کا اطلاق صرف ایران کی ملکہ پوران دخت پر ہوتا ہے۔ کوئی عام حکم نہیں ہے اِس لیے کہ ملکہ وکٹوریہ، ملکہ الزبتھ، ملکہ رین اور دوسری متعدد خواتین نے کامیاب حکومتیں کی ہیں۔ اگر اس حدیث کو قاعدہ کلیہ بنا دیا جائے تو پھر اس کی صحت مشکوک ہو جائے گی۔

جواب

۱۔ قاعدہ یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی نصوص میں شانِ نزول اور شانِ ورود کے خاص ہونے کا لحاظ نہیں ہوتا، بلکہ الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے۔ قرآن کی کئی آیات مشرکینِ مکہ، اور یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں لیکن ان کا حکم عام ہے اور جو بھی ان آیات کا مصداق بن سکتا ہو ان پر یہ آیات منطبق ہوتی ہیں۔

۲۔ اگر یہ پیشین گوئی عام نہ ہوتی تو الفاظ یوں ہوتے۔ لَن یُّفلِحُوا اذ ولّوا امرھم امرأۃ۔" یہ ایرانی ہرگز کامیاب نہ ہوں گے جب کہ ایک عورت کو انہوں نے اپنا سربراہ بنا دیا ہے"۔ لیکن الفاظ یہ نہیں ہیں بلکہ یوں ہیں: لن یّفلح قومٌ ولّوا امرھم امرأۃ

ہرگز کامیاب نہ ہوگی ہر وہ قوم جس نے کسی بھی عورت کو اپنا حکمران بنا دیا ہو" قوم کا لفظ نکرہ ہے جس پر حرف نفی لَنْ داخل ہوا ہے جو عربی قاعدے کی رُو سے عموم کے لیے اور تاکید و تابید کے لیے آتا ہے اور اِمْرَأَةً کا لفظ بھی نکرہ ہے جو عموم کے لیے آتا ہے۔ یعنی یہ ایک عام اور تاکیدی اور اَبَدی پیشین گوئی ہے۔ اگرچہ اس کا شانِ ورود پوران دخت ہے۔ مگر یہ اسی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اور مذمت کی علت ایرانی ہونا نہیں ہے بلکہ "تَوْلِیَةُ امْرَأَةٍ" یعنی عورت کو حکمران بنانا اصل علت بیان کی گئی ہے۔ علت اگر عام ہو تو حکم بھی عام ہوتا ہے۔ عربی زبان کا معمولی سا ذوق رکھنے والا شخص بھی ان قواعد سے واقف ہوتا ہے۔ مگر معلوم نہیں ہمارے اس پروفیسر کی نظر ان قواعد پر کیوں نہیں پڑی؟ یا انہوں نے دانستہ طور پر ان سے صرفِ نظر کر لیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۳۔ باقی رہی یہ بات کہ کیتھرائن اور ملکہ وکٹوریہ جیسی خواتین نے کامیاب حکومتیں کی ہیں تو اگر کامیابی اور فلاح کے معنی یہی ہیں کہ فتوحات حاصل کی جائیں اور معاشی طور پر ترقی کی جائے تو پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ غیر مسلم کی حکومت بھی جائز ہے اور کامیاب ہے۔ درآنحالیکہ قرآن و سنت کی صریح نصوص سے ثابت ہے کہ کافر اور ظالم حکمرانی کے شرعاً مستحق نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کامیابی اور فلاح کا اسلامی تصور یہ ہے کہ ایسا پاکیزہ معاشرہ قائم کیا جائے جس میں عدل و انصاف کی حکمرانی ہو۔ اس کے علاوہ حقیقی کامیابی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مستقبل روشن اور خوشحال ہو۔ حال کی خوشحالی اگر مستقبل کی بربادی کا ذریعہ بن جائے تو یہ کامیابی نہیں ہوتی، بلکہ ناکامی اور نامرادی ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ اصل مستقبل موت کے بعد شروع ہوتا ہے۔ حکومت تو فرعون اور نمرود نے بھی کی تھی اور بڑی مضبوط حکومت کی تھی تو کیا ان کی یہ حکومتیں بھی کامیاب تھیں اور شرعاً جائز تھیں؟ "حکومت بالحق" اور "حکومت بالفعل" کے درمیان فرق کو اگر ملحوظ نہ رکھا جاتے تو اس سے بہت سے ایسے سوالات سامنے آجائیں گے جن کا حل کرنا مشکل ہوگا۔

۴۔ اِس حدیث کو ہر دور کے محدثین اور فقہاء نے عورت کی حکمرانی کے عدم جواز کی دلیل قرار دیا ہے۔ امام ابوسلیمان خطابیؒ نے لکھا: فی الحدیث ان المرأة

لا تلی الامارۃ ۱؎

یعنی "اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت حکمران نہیں بن سکتی"۔ اس کے علاوہ ابن حجرؒ، بدرالدین عینیؒ، ابن حزمؒ، ابن عربیؒ، ابن کثیرؒ، قرطبیؒ، ابن الہمامؒ، قاضی ثناء اللہؒ، شاہ ولی اللہؒ، قاضی شوکانیؒ اور مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری نے بھی اس حدیث کو عام سمجھا ہے اور عورت کی حکمرانی کے عدم جواز کی دلیل قرار دیا ہے۔ جدید دور کے علماء مثلاً مولانا مودودیؒ، مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ نے بھی حدیث کو عام قرار دیا ہے اور اسے دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ اگر آج سپریم کورٹ کے چھ سات جج آئین کی کسی دفعہ کی تعبیر کا فیصلہ سنا دیں اور کوئی تاریخ دان اس تعبیر کو غلط قرار دے تو لوگ اس کا مذاق اُڑائیں گے۔ مگر پندرھویں صدی کا یہ پروفیسر چودہ سو (۱۴۰۰) سال سے مسلسل نقل ہونے والی اس تعبیر وتشریح کو درایت کے خلاف قرار دے کر بڑی ڈھٹائی سے رد کر رہا ہے۔

ع ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے!

الائمۃ من قریش کو نظیر بنانا

پنجاب یونیورسٹی کے اس تاریخ دان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو کہ "حکمران قریش میں سے ہوں گے" بطور نظیر پیش کیا ہے کہ اس خبر کے باوجود ترکوں کی خلافت قائم ہوئی تھی جو قریش نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں صرف خبر دی گئی ہے، کوئی قاعدہ کلیہ بیان نہیں ہوا کہ ہمیشہ کے لیے خلافت قریش ہی کا حق ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ؐ کے اس ارشاد میں کہ "ہرگز کامیاب نہیں ہوگی وہ قوم جس نے عورت کو اپنا حکمران بنا دیا ہو" کوئی عام اور کلی حکم بیان نہیں ہوا۔ بلکہ صرف ایک خبر دی گئی ہے جو پوران وخت کے ساتھ مخصوص ہے۔

۱؎ فتح الباری شرح بخاری جلد ۹ صفحہ ۱۶۷ و عمدۃ القاری جلد ۱۸ صفحہ ۵۹ کتاب المغازی۔

جواب

قریش کی حکومت کے بارے میں یہ پیشین گوئی مشروط ہے۔ صحیح مسلم میں فرمان نبوی نقل ہوا ہے کہ:

مَا اَقَامُوا الدِّیْنَ اور مَا حَکَمُوا فَعَدَلُوْا

"یعنی قریش اسی وقت تک حکمران رہیں گے جب تک کہ وہ دین کو قائم کریں گے اور عدل کے ساتھ فیصلے کریں گے۔"

اِس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ الائمۃ من قریش کا مفہوم یہ ہے کہ قریش جب ...... اقامتِ دین اور حکم بالعدل کا فریضہ ادا کرنا ترک کر دیں گے تو پھر حکومت ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ جب خود حدیث میں توقیت و تحدید کر دی گئی ہے تو قریش کی حکومت کو کلیہ اور ابدی حکم کیسے بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن عورت کی حکمرانی سے متعلق حدیث میں نہ تو کسی توقیت و تحدید کا ذکر آیا ہے اور نہ کوئی شرط لگائی گئی ہے اس لیے یہ شریعت کا ابدی حکم ہے اور قاعدہ کلیہ ہے۔

۶۔ مسلمان شہزادیوں کی حکمرانی کو سندِ جواز بنانا

عورت کی حکمرانی کے جواز اور حدیثِ رسولؐ کے ایرانی ملکہ کے ساتھ مختص ہونے پر رضیہ سلطانہ، چاند بی بی اور بھوپال کی شہزادیوں کی حکومتوں کو بھی بطور دلیل پیش کیا جا رہا ہے۔

جواب

حیرت ہے کہ بے نظیر کے دلدادہ کچھ لوگ ان درباری امرا اور فوجی افسروں کے طرزِ عمل کو تو نمونۂ عمل بناتے ہیں۔ جنہوں نے رضیہ سلطانہ، چاند بی بی اور بھوپال کی شہزادیوں کو تخت پر بٹھایا تھا۔ لیکن سنّتِ رسولؐ، سنّتِ خلفائے راشدین اور اموی وعباسی اُمرائ کے طرزِ عمل کو ملحوظ نہیں رکھتے جنہوں نے صحابیاتؓ اور تابعیاتؒ اور تبع تابعیاتؒ میں سے بھی نہ کسی کو جانشین بنایا تھا اور نہ حکمرانی کے تخت پر بٹھایا تھا۔ چودہ صد سالہ تاریخِ اسلام کی غالب ترین اکثریت کے تعامل کو چھوڑ کر چند گنی چنی خواتین کو دلیل بنانا تحقیق نہیں

ہے بلکہ عقل سلیم ضروری ہے۔ اگر بادشاہوں، نوابوں اور شہزادیوں کے عمل کو دلیل بنایا جاسکتا ہے تو پھر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ موروثی بادشاہت بھی اسلام میں جائز ہے، بلکہ یہ بھی کہنا پڑے گا کہ حکومت تلوار کے زور سے اور شاہی امراء کی محلاتی سازشوں کے ذریعے حاصل کرنا بھی جائز ہے۔ اس لیے کہ مسلمان بادشاہتوں میں تو یہ سب کچھ ہوتا رہا ہے ——
رضیہ سلطانہ، چاند بی بی اور بیگمات بھوپال یا دوسری مسلم خواتین کی حکومتوں کے جواز کا فتویٰ اس دور کے علماء میں سے کسی نے بھی نہیں دیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حالات کے دباؤ کی بنا پر کچھ علماء خاموش ہو گئے تھے۔ اسی طرح نواب صدیق الحسن خان نے بھی جواز کا فتویٰ نہیں دیا تھا۔ بیگمات بھوپال کی حکمرانی پر ان کی خاموشی کسی مصلحت پر مبنی ہو گی۔ مگر رسول اللہؐ کے علاوہ کسی عالم کی خاموشی شرعی دلیل نہیں بن سکتی، بلکہ دلیل شرعی کے بغیر کسی مفتی کا فتویٰ بھی حجت نہیں ہے جب کہ ان خواتین کی حکومتوں کے شرعاً جائز ہونے کا فتویٰ بھی کسی نے نہیں دیا تھا۔

۷۔ صدارت کے لیے محترمہ فاطمہ جناح کی نامزدگی کو سندِ جواز بنانا

ایوب خانی آمریت سے نجات حاصل کرنے کے لیے محترمہ فاطمہ جناح کو صدارتی انتخاب میں اُمیدوار نامزد کیا گیا تھا۔ اور مولانا مودودیؒ اور مفتی محمد شفیعؒ نے اس کی حمایت کی تھی۔ اس نامزدگی اور حمایت کو بھی آج بے نظیر اور اس کے حامی بڑے زور شور سے اچھال رہے ہیں۔

جواب

مولانا مودودیؒ اور مفتی محمد شفیعؒ کی رائے ہم نے گذشتہ سطور میں نقل کر دی ہے کہ عورت حکمران نہیں بن سکتی۔ مفتی صاحب مرحوم نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک پارلیمنٹ کی رکنیت اور مختلف محکموں کی سربراہی کے لیے بھی عورت کا انتخاب درست نہیں ہے۔ اس واضح اور غیر مبہم وضاحت کے باوجود ان کو عورت کی سربراہی کی تائید کرنے والوں میں شمار کرنا دھوکہ دہی اور سیاست بازی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ باقی رہی محترمہ فاطمہ کی نامزدگی کی حمایت تو اس کی وجہ یہ تھی کہ محترمہ کو دراصل

مستقل طور پر صدارت اور حکمرانی کے لیے نامزد نہیں کیا گیا تھا بلکہ آمریت کے خلاف تحریک کی قیادت کے لیے نامزد کیا گیا تھا۔ فیصلہ یہ ہوا تھا کہ منتخب ہو جانے کی صورت میں تین ماہ کے اندر پارلیمانی نظام کے لیے نئے انتخابات کرائے جائیں گے اور نیا مرد حکمران منتخب کیا جائے گا۔ لیکن پیپلز پارٹی نے جو انتخابات کے بعد بے نظیر کو پانچ سال کے لیے وزیراعظم مقرر کروایا ہے تو اس وقت وہ کون سی آمریت ہے جسے ختم کرانے کے لیے اُسے یہ تکلیف دی گئی ہے جب کہ اس کی گود میں ایک نومولود بچہ بھی ہے۔ جس کو یہ آمر سمجھتی تھی اُس نے تو شہادت کی سعادت حاصل کر لی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ملک کی سالمیت کو خطرہ ہے اور سندھ میں علیحدگی پسندوں کی سازشیں ہو رہی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ علاقائی تعصبات اور لسانی و نسلی قومیتوں سے نجات کا ذریعہ بے نظیر نہیں ہے، بلکہ عدل و انصاف کا قیام اور اسلامی نظام ہے۔ پیپلز پارٹی کی قیادت نے تو ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے بعد ملک کو توڑنے کا کردار ادا کیا تھا۔ آج اسے کس بنا پر ملک کی سالمیت کا نشان سمجھ لیا گیا ہے۔ یہ تو توڑنے کا نشان ہے جوڑنے کا نشان نہیں ہے۔

۸۔ سانحۂ جمل میں حضرت عائشہؓ کی شرکت کو سندِ جواز بنانا

جنگِ جمل میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کی شرکت اور قیادت کو بھی کچھ لوگ عورت کی حکمرانی کے لیے سندِ جواز بناتے ہیں۔

جواب

سانحۂ جمل میں حضرت عائشہؓ کی شرکت نہ حکومت کی سربراہی تھی اور نہ حکومت کے حصول کی کوشش تھی، بلکہ خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت کی ایک کوشش تھی اور یہ کسی نے بھی نہیں کہا کہ عورتیں مظلوم کی حمایت اور مصالحت کی مہم میں بھی حصہ نہیں لے سکتیں۔ یہ ایک خلطِ مبحث اور مغالطہ انگیزی ہے جسے بے نظیر کے یہ پیرو اپنے دلیل بنا رہے ہیں۔ ام المومنینؓ نے مکہ مکرمہ سے بصرہ جاتے وقت یہ اعلان کروایا تھا:

"ہم خونِ عثمانؓ کا بدلہ دلوانا چاہتے ہیں"۔ [1]

بصرہ کے قریب پہنچ کر امّ المومنینؓ نے بصرہ کے سربرآوردہ لوگوں کے نام جو خط لکھا تھا، اُس میں اپنا مقصد یہ بیان کیا تھا:

"میں اس لیے مسلمانوں کے ساتھ نکلی ہوں کہ ان کو باغیوں کے ظلم سے باخبر کردوں اور مسلمانوں کو وہ تدبیر بتلا دوں جو ان کے لیے مناسب ہے اور وہ ہے اصلاح کرانا"۔ [2]

بصرہ پہنچنے پر لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

"تمہارے لیے مناسب بات یہی ہے کہ عثمانؓ کے قاتلوں کو گرفتار کرلو اور ان پر اللہ کی کتاب کا فیصلہ (قصاص) نافذ کردو"۔ [3]

حضرت علیؓ نے جب حضرت قعقاعؓ بن عمرو کو اپنا ایلچی بنا کر حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا تو اس کے سوال کے جواب میں امّ المومنینؓ نے فرمایا: "اے میرے بیٹے میں اصلاح کے لیے یہاں آئی ہوں"۔ چنانچہ صُلح کے مذاکرات شروع ہو گئے اور مکمل بھی ہو گئے۔ لیکن دونوں جانب قاتلینِ عثمانؓ کے سبائی گروہ کے ایجنٹ گھُسے ہوئے تھے انہوں نے رات کو خفیہ طور پر جنگ شروع کر کے دونوں فریقوں کو ایک دوسرے سے بدظن کر دیا۔ اور پھر وہی ہوا جو مقدر تھا۔ [4]

تاریخ اور حدیث کی کسی روایت میں یہ نہیں آیا کہ حضرت عائشہؓ کو حضرت علیؓ کے مقابلے میں خلافت کے لیے نامزد کیا گیا تھا۔ حضرت علیؓ کی خلافت تو سب تسلیم کرتے تھے یہ ساری مہم قاتلینِ عثمانؓ سے بدلہ دلوانے اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت کے لیے

---

[1] الکامل از ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۰۶
[2] 〃 〃 〃 ص ۲۱۰
[3] 〃 〃 〃 ص ۲۱۳
[4] 〃 〃 〃 ص ۲۲۴ اور ص ۲۳۲ تا ۲۴۲

شروع کی گئی تھی۔

حضرت عائشہؓ اپنے اس اقدام پر پشیمان اور پریشان تھیں

اگرچہ ام المومنینؓ کا یہ اقدام جاہ طلبی اور حکومت کے حصول کے لیے نہیں تھا، بلکہ اخلاص نیت کے ساتھ ایک نیک کام کے لیے تھا۔ لیکن پھر بھی وہ اپنے اس عمل پر بعد میں نادم بھی تھیں اور پریشان بھی تھیں۔

ابن سعدؒ متوفی ۲۳۰ھ لکھتے ہیں کہ:

"حضرت عائشہؓ جب یہ آیت پڑھتیں کہ " وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ " تو روتی تھیں۔ یہاں تک کہ آنسوؤں سے اپنے دوپٹے کو تر کر دیتی تھیں۔"[۱]

ابن ابی شیبہؒ متوفی ۲۳۵ھ نے حضرت عائشہؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

" کاش میرے دس بیٹے مر جاتے (اگر ہوتے) مگر ابن زبیرؓ کے ہمراہ یہ سفر نہ کرتی۔" (بصرے کا سفر)[۲]

ام المومنینؓ کے اِس اقدام سے دوسرے جن صحابہؓ وصحابیاتؓ نے اختلاف رائے کیا تھا، ان کا ذکر اس لیے ضروری نہیں ہے کہ خود انہوں نے بعد میں اپنے اس اقدام کو نامناسب سمجھ لیا تھا اور اس کو یاد کر کے پریشان ہو جاتی تھیں۔

۹۔ جہاد میں صحابیاتؓ کی شرکت کو سندِ جواز بنانا

"دورِ نبوی میں بعض اوقات صحابیاتؓ غزوات میں شریک ہوتی تھیں۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ شہیدوں کی لاشیں اٹھاتی تھیں اور مجاہدین کو پانی پلایا کرتی تھیں۔"[۳]

---

[۱] طبقات ابن سعد طبع بیروت جلد ۸ ص ۸۱

[۲] المصنف از ابن ابی شیبہ جلد ۱۵ ص ۲۷۷

[۳] صحیح البخاری۔ کتاب الجہاد جلد ۱ ص ۴۰۳

جہاد میں خواتین کی اس شرکت کو بھی بعض لوگ عورت کی حکمرانی کی دلیل سمجھ بیٹھے ہیں۔

جواب

ناطقہ سر بگریباں ہے کہ آخر اس استدلال کو کونسا نام دیا جائے؟ ایک موٹی سی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ حالتِ جنگ (ایمرجنسی میں) جنگی خدمات اور چیز ہے اور پورے ملک کی سربراہی ایک اور چیز ہے۔ جنگی خدمات کو بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت حدیث میں جائز قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ نفیرِ عام کے وقت عورتوں پر لڑنا بھی فرض ہو جاتا ہے اور اس کے لیے شوہر سے اجازت لینا بھی ضروری نہیں ہوتا۔ لیکن ریاست کی سربراہی اور حکمرانی کی ذمہ داری سے جب اللہ و رسول ﷺ نے عورتوں کو سبکدوش کر دیا ہے۔ اور یہ ذمہ داری مردوں پر ڈال دی گئی ہے تو اس کو غزوات میں شریک یا دوسری سوشل سرگرمیوں پر قیاس کر کے کیسے جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟

۱۰۔ اِنَّ النِّسَاءَ شَقَائِقُ الرِّجَالِ کو سندِ جواز بنانا

ترمذی، ابو داؤد اور مسند احمد میں آیا ہے کہ ام سلیمؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا "کیا عورتوں پر بھی غسلِ جنابت واجب ہو جاتا ہے جب کہ وہ احتلام کی وجہ سے اپنے کپڑوں یا جسم پر تری دیکھ لیں"۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "نَعَمْ اِنَّ النِّسَاءَ شَقَائِقُ الرِّجَالِ" "ہاں! عورتیں مردوں کی مانند ہیں" اس حدیث کو بھی بعض لوگ عورت کی حکمرانی کی دلیل سمجھ رہے ہیں کہ جب عورتیں مردوں کی مانند ہیں تو حکومت کا فرض ادا کرنے میں بھی دونوں مساوی ہیں۔

جواب

اِس حدیث کا سیاق و سباق حکمرانی کے بارے میں نہیں ہے بلکہ احتلام اور غسلِ جنابت سے متعلق ہے۔ اور حدیث کا صاف اور واضح مفہوم یہ ہے کہ احتلام اور منی خارج ہونے میں اور اس کی وجہ سے غسل واجب ہونے میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں۔ یعنی مرد اور عورت دونوں کی طبیعت اور سرشت میں پیدائشی طور پر مادہ مولّدہ

یعنی منی موجود ہے۔ اور فطری طور پر یہ منی خارج بھی دونوں سے ہوتی ہے۔ لہٰذا احتلام کی بنا پر غسل بھی دونوں پر واجب ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مرد اور عورت اور بھی بہت سی چیزوں اور بہت سے احکام میں برابر ہیں۔ یہ تو کسی نے بھی نہیں کہا کہ عورت اور مرد کے درمیان کسی چیز میں بھی اشتراک اور برابری نہیں ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ بھی تو نہیں ہیں کہ عورت ہر چیز میں مرد کے مانند ہے۔ حیض و نفاس عورتوں پر آتا ہے مگر مردوں پر نہیں آتا۔ عورتوں سے بچوں کی ولادت ہوتی ہے مگر مردوں سے نہیں ہوتی۔ اس حدیث کا یہ مفہوم لینا کہ عورتیں ہر معاملے میں اور ہر کام میں مردوں کے مانند ہیں، حقائق کے بھی خلاف ہے اور قرآن و سنت کی دوسری اُن نصوص کے بھی خلاف ہے۔ جن میں بعض اُمور میں دونوں کے درمیان فرق رکھا گیا ہے۔ مثلاً میراث، شہادت اور حکمرانی وغیرہ۔ آیات و احادیث کی تشریح کرتے وقت دوسری آیات و احادیث کو بھی مدِنظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اور یہی تحقیق کا صحیح طریقہ ہے۔ محدثینؒ اور فقہاء نے درج بالا احادیث کا یہی مفہوم بیان کیا ہے اور چودہ سو سال کی اسلامی تاریخ میں کسی نے بھی اس کو عورت کی حکمرانی کے لیے سندِ جواز نہیں بنایا، بلکہ سب نے عورت کی حکمرانی کو شرعاً ناجائز قرار دیا ہے۔ اگر اس سے عورت کی حکمرانی کا جواز ثابت ہو سکتا تو چودہ سو سال میں کوئی نہ کوئی محدث اور فقیہ تو اس کا ذکر بطور دلیل کر لیتا، لیکن کسی نے بھی نہیں کیا۔

۱۱۔ اسمبلیوں کی رکنیت کو سندِ جواز بنانا

کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ جب خواتین اسمبلیوں کی ارکان بن سکتی ہیں تو وہ حکومت کی سربراہ بھی بن سکتی ہیں۔ اس لیے کہ سربراہِ حکومت ارکانِ اسمبلی ہی میں سے منتخب کیا جاتا ہے۔

جواب

مولانا مودودیؒ اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک تو خواتین اسمبلیوں کی رکن نہیں بن سکتیں، البتہ اُن کی الگ مجلسِ شوریٰ بنائی جا سکتی ہے، مگر مجھے اس کے عدم جواز پہ

کوئی مضبوط اور واضح دلیل نہیں مل سکی۔ موجودہ اسمبلیوں کے تو مرد ارکان بھی اہلیت کے شرعی معیار پر پورے نہیں اترتے اور خواتین کی حالت تو اور بھی ناگفتہ بہ ہے لیکن اصولی طور پر اگر قومی یا صوبائی نمائندگی کی اہلیت کی شرائط موجود ہوں تو صرف عورت ہونے کی وجہ سے اسے ان اداروں کی رکنیت سے محروم کرنا مناسب نہیں ہے۔ اسمبلیاں (مجالسِ شوریٰ) قانون ساز ادارے بھی ہیں اور انتخابی ادارے بھی ہیں اس لیے کہ وزیر اعظم صدر مملکت اور وزراءِ اعلیٰ کا انتخاب یہ اسمبلیاں کرتی ہیں۔ قانون سازی ایک علمی اور تحقیقی کام ہے اور انتخاب کا تعلق بھی رائے دہی سے ہے اور عورتیں علمی تحقیق اور رائے دہی سے محروم نہیں کی گئیں۔ عورتوں کے ناقص العقل ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان کی رائے اور تحقیق ہمیشہ غلط ہوتی ہے۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ صحیحہ سے عورتوں سے مشورہ لینا اور اگر صحیح ہو تو اس پر عمل کرنے کا جواز ثابت ہے۔ دورِ نبوی اور دورِ خلافتِ راشدہ میں صحابیاتؓ اور تابعیاتؒ فتوی دیتی تھیں اور دوسرے علمی کام کرتی تھیں۔ مُستشار کے لیے مرد ہونے کی شرط کسی نقلی اور عقلی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط ممنوع ہے تو اختلاط اس وقت ممنوع ہے کہ پردے کی پابندی نہ کی جائے اور نشستیں مخلوط ہوں۔ مگر جب خواتین ارکان کی نشستیں مرد ارکان کے پیچھے ہوں، الگ ہوں اور وہ باپردہ بھی ہوں تو شرعاً اس کی ممانعت نہیں ہے۔ دورِ نبوی میں عورتیں مسجد میں آکر مردوں کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں لیکن ان کی صفیں مردوں کی صفوں سے پیچھے ہوتی تھیں۔ اسی طرح نمازِ عید کے لیے عورتیں بھی عیدگاہ میں آیا کرتی تھیں لیکن مردوں سے الگ اور پیچھے بیٹھا کرتی تھیں۔ مطاف کعبہ میں مرد اور عورتیں دونوں ایک ہی وقت میں طواف کرتے تھے مگر حکم یہ تھا کہ عورتیں مردوں کے پیچھے رہ کر طواف کریں۔ یہ صورت اختلاط کی نہیں ہے بلکہ عدم اختلاط کی ہے۔ اس موضوع پر مزید تفصیل میری کتاب اسلامی سیاست میں موجود ہے۔

مگر حکومت کی سربراہی کو اسمبلیوں کی رکنیت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے ایک تو اس وجہ سے کہ عورت کی سربراہی کے ممنوع ہونے کے لیے قرآن وسنت میں دلائل موجود ہیں

(باقی بر صفحہ ۵۶)